R.No. 2186/57 Regd. No. 1027

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

ٹیلی فون - ۲۹
قیمت تین روپے سالانہ
فی پرچہ چھ نئے پیسے

جلد ۲۲ - شمارہ ۴۶ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | ۸ دسمبر ۱۹۶۳ء

آل احمد سرور

آلڈس ہکسلے

چند روز ہوئے انگریزی کا مشہور ادیب آلڈس ہکسلے ۶۹ سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ وہ کینسر کے موذی مرض میں مبتلا تھا۔ دو سال ہوئے مجھے دہلی کے بین الاقوامی ادبی سیمینار میں ہکسلے کو قریب سے دیکھنے اور اس کی باتیں سننے کا موقع ملا۔ سیمینار کے تین موضوع تھے۔ ایک ٹیگور کا ہندوستان کی علاقائی زبانوں پر اثر، دوسرے ٹیگور کے افکار کا عالمی ادب پر اثر، اور تیسرے جدید زندگی میں ادب۔ شروع میں ہکسلے خاموشی سے ہندوستان کی زبانوں کے ادیبوں کے مقالے سنتا رہا جن میں ٹیگور کے اثر کو موقع کے لحاظ سے خاصا بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا تھا۔ جب اس نے دوسرے موضوع کے سلسلے میں کچھ تقریریں سنیں تو حاضرین کو ٹیگور کے تعلیمی نظریات کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے ٹیگور کی ساری تصانیف پڑھی تھیں۔ تیسرے موضوع پر اس نے خود ایک نہایت خیال انگیز اور بصیرت افروز مقالہ پڑھا۔ اس کے سارے نظریات سے اتفاق کرنا تو ممکن نہ تھا۔ مگر ان کی اہمیت سے کسی کو انکار نہ تھا۔ جب اس پر بعض پُرجوش نیم سیاسی نیم ادبی حضرات نے اعتراضات کئے تو اس نے خاصے جوش سے جواب دیا اور اپنے نظریئے پر اصرار کرتا رہا۔ ہکسلے سائنس کی ترقی سے خائف سا تھا۔ جدید صنعتی اور میکانکی نظام میں اسے ادب کے لئے بہت سے خطرے نظر آتے تھے اور یہ سارے خطرے تمامتر بے حقیقت بھی نہیں تھے۔ ہاں اس نے اس پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی کہ اس صورت حال کے لئے سائنس سے زیادہ ذمے داری سرمایہ دارانہ نظام پر آتی تھی۔

دُبلا پتلا، الگ تھلگ سا، ایک باوقار سنجیدگی کا مالک یہ بزرگ ادیب سب کی نگاہوں کا مرکز تھا مگر سب سے بے نیاز بھی۔ آکسفورڈ کے ایک پروفیسر وزایا برلن کی گرم گفتاری اور ہکسلے کی کم گوئی اور کم آمیزی دونوں کو سبھی نے محسوس کیا، مگر ہکسلے کی عظمت کا سبھی کو احساس تھا۔

ہکسلے انگریزی کے ان ادیبوں میں سے تھا جنھوں نے ایک گرانقدر سرمایہ چھوڑا ہے۔ اس کے ناولوں میں:
(Brave New World) (Ape and Essence)
(After many a Summer) (Eyeless in Gaza)
(Point Counter Point)
اہم اور قابل ذکر ہیں۔ اس کے سفرناموں میں ہندوستان کے ساتھ انصاف نہیں ہے، تاج کے حسن کو وہ بالکل نہیں سمجھا۔ اس نے اس پر غور نہیں کیا کہ ہندوستانی سیاست کے بارے میں کیوں گفتگو زیادہ کرتے ہیں۔ سیاست ہندوستان کی زندگی اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے ہندوستان کے ماضی، حال اور مستقبل کا صحیح تصور بن سکتا ہے۔ یہاں محض سیاسی گفتگو بے کار ہے۔ ہکسلے ان ادیبوں میں سے تھا جو جدید و قدیم علوم پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ وہ سائنس کی میکانکیت کے خلاف تھا۔ صنعتی زندگی نے جس طرح روح کے تقاضوں کو کچل کر

اس اشاعت میں

رکھ دیا ہے، اس کا اسے رنج تھا۔ وہ فن اور ادب کی اخلاقی اور روحانی طاقت کا قائل تھا۔ روحانیت سے یہ دلچسپی اُسے ہندوستانی فلسفے کی طرف لے گئی۔ اُس نے اپنشدوں کا گہرا مطالعہ کیا اور اُن سے بہت متاثر ہوا۔ ابدی فلسفہ (Perennial Philosophy) میں اُس نے بودھ فلسفے اور ہندو فلسفے سے بہت کچھ لیا ہے۔ اُس نے انگلستان کو چھوڑ کر امریکہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ عجیب و غریب تجربے بھی کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ جب اس کی بینائی کمزور ہو گئی تو اُس نے ایک دوا استعمال کی اور اُس کے خواص پر ایک کتاب لکھی۔ ہکسلے کی تصانیف میں گہرے اور سنجیدہ مطالعے کی ہر جگہ جھلک ملتی ہے۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا تھا کہ ایسا ذہین آدمی سائنس کی تباہ کاریوں کو ہی دیکھتا تھا اس کی نعمتوں پر پوری توجہ نہ کر پاتا تھا مگر اُس نے جن خطروں کی طرف اشارہ کیا وہ حقیقی تھے، موجودہ دور کی بے روح، بے مقصد، کھوکھلی اور لذت پرست نسل پر اُس نے بڑی تیکھی طنز کی ہے۔ وہ اس دور کے ممتاز ادیبوں میں سے تھا۔ اُس نے بہت سے قابل قدر اور بڑے کارنامے چھوڑے ہیں۔ اُس کے تمام نظریوں سے اتفاق ضروری نہیں، مگر اُس کی ادبی اہمیت کا اعتراف ضروری ہے۔ ہمارے جدید ادیب اُس سے خاصے متاثر ہوئے ہیں۔ اُس نے ادبی مسائل پر بھی مضمون لکھے۔ خصوصاً سائنس اور ادب کو قریب لانے کی کوشش کی۔ وہ انسانیت کا پرستار تھا، گو انسانیت کا اُس کا تصور جذباتی نہ تھا۔ اُس کے ناول اتنے اچھے قصے نہیں جتنے اس کے خیالات کے اظہار کے لئے کٹھ پتلیاں ہیں، مگر یہ خیالات نظر انداز کسی طرح نہیں کئے جا سکتے ان کی اہمیت مسلم ہے۔

سیر بین

آج کل کچھ لوگ اُردو کو مشترک بنا کر اسلام کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ اُردو کو سب کی زبان قرار دیا گیا ہے، اس لئے کوئی اس کی پروا نہیں کرتا۔ جس دن یہ مُسلمانوں کی زبان قرار دے دی گئی اُسی دن اس کے سارے دلدر دور ہو جائیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ دیا کا سہائے، نسیم اور سرشار، چکبست اور فراق، مُلا اور بیدی اور ہزاروں اُردو کے غیر مسلم شاعروں اور ادیبوں کے کارنامے کو حرف غلط کی طرح مٹا دینا پڑے گا اور اُردو کی تاریخ پھر سے لکھنی پڑے گی۔ اس میں ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں کا جو مذہبی لٹریچر ہے، اُسے نظر انداز کرنا پڑے گا۔ پھر بنگالی مسلمان بنگلہ چھوڑ دیں گے، جنوب کے مسلمان تامل، تیلگو، ملیالم، کنڑ کو بھول جائیں گے، آسامی زبان ہو یا کشمیری، سب کو وہاں کے مسلمان طلاق دے دیں گے، چار کروڑ ستر لاکھ مسلمانوں کی زبان صرف اُردو ہو گی۔ کیسا شاندار اور پھڑکتا ہوا جوش میں لانے والا خیال ہے۔ تعجب ہے کہ ان علاقوں کے مسلمان اُردو کے ہوتے ہوئے دوسری علاقائی زبانوں کا خیال ہی دل میں کیوں لاتے ہیں۔

پھر جیسے ہی ہم نے کسی شاندار آل انڈیا کانفرنس کی کسی شاندار قرارداد میں یہ طے کیا اور اس قرارداد کو جلی حرفوں میں چھاپ دیا ویسے ہی حکومت اُردو کے سارے حقوق خود بخود تسلیم کرنے لگی۔ کچھ ریاستوں میں تو فوراً یہ علاقائی زبان ہو جائے گی، باقی ریاستوں میں بھی اس کا بول بالا ہو گا۔ جا بجا خود ہی اُردو کے اسکول کھل جائیں گے۔ درخواستیں اُردو میں دی جانے لگیں گی، اُردو کے سیکڑوں اخبار نکلنے لگیں گے جن کی اشاعت لاکھوں تک پہنچے گی۔ اُردو کی کتابیں کروڑوں کی تعداد میں بکنے لگیں گی۔ اُردو کے اُستادوں کی مانگ ہزار گنی بڑھ جائے گی، انجمن ترقی اُردو ہند کی عقل پر شاید پتھر پڑ گئے ہیں کیونکہ وہ اب بھی پُرانا راگ الاپ رہی ہے اور اُردو کو ایک ایسی جدید ہندوستانی زبان کہتی ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل جول کا نتیجہ ہے اور سب کی زبان ہے کسی مذہبی جماعت کی جاگیر نہیں۔

ہندی کتابوں کے لئے چھ لاکھ کی اسکیم

دہلی یونیورسٹی کے ہندی کے نفاذ کے بورڈ نے ہندی کی نصابی کتابوں اور معیاری کتابوں کے ترجمے کی ایک تجویز کو آخری شکل دے دی ہے۔ تخمینہ لگایا گیا ہے کہ بی اے پاس اور آنرز کے امتحانات کے ہر پرچے کے لئے اگر ایک ایک کتاب بھی لکھی جائے تو تقریباً ساٹھ کتابوں کی ضرورت ہو گی۔

طباعت کی موجودہ شرح اور وزارت تعلیم کی طرف سے مصنفوں کے مقرر کردہ معاوضہ کے پیش نظر ہر کتاب پر الگ بھگ ۰۰۰،۱۰ روپیہ خرچ بیٹھے گا۔ اس لئے پورے منصوبہ پر موٹا جھوٹا تخمینہ چھ لاکھ روپے سے زیادہ ہے۔ ترجمہ کے لئے بورڈ نے ہر مضمون پر تین چار معیاری کتابوں کے ترجمے کا کام اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ اس سلسلے میں متعلقہ شعبوں کے صدروں سے معیاری کتابوں کی فہرست طلب کی گئی ہے۔

مالی مسئلہ:

اس تجویز پر عمل درآمد کے لئے بورڈ کے سامنے اخراجات کا مسئلہ درپیش ہے۔ بورڈ کے سامنے جو تین تجویزیں رکھی گئیں، ان پر اکیڈمک کونسل کے جلسے میں پہلی تجویز یہ تھی کہ اس کام کو پبلشروں کے حوالے کر دیا جائے۔ نکاسی کی قوی امید کو سامنے رکھتے ہوئے بہت سے پبلشر اس کام کو خوشی کے ساتھ کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔

دوسری تجویز یہ ہے کہ یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کم از کم دس لاکھ روپیہ یونیورسٹی کے حوالے کرے اور یونی ورسٹی اس کام کو اپنے ذمہ لے لے۔

تیسری تجویز یہ ہے کہ وزارت تعلیم مرکزی ہندی ڈائرکٹریٹ کے ذریعہ اس سلسلے میں ایسا گرانٹ دیا کرے۔

فراق گورکھپوری

ہندی کی غلط روی

ملک کے مشہور و معروف ادیب و شاعر فراق گورکھپوری کا ایک بیان انڈین ایکسپریس میں شایع ہوا ہے۔ اُس کا ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

"اگر ہندی کے حامیوں سے پوچھا جائے کہ واضح طور پر بتائیں کہ ہندی زبان سے اُن کی کیا مراد ہے تو ان میں سے ہر ایک بلا استثنا سب مل کر یہی جواب دیں گے کہ ہندی اپنی موجودہ معیاری شکل میں کھڑی بولی کو کہتے ہیں یا عربی فارسی اور دوسرے غیر ملکی الفاظ سے مبرا وہ زبان ہے جو عام طور پر مغربی یوپی میں بولی جاتی ہے یا وہ زبان ہے جو خالص تدبھوا ہندی لفظوں پر مشتمل ہے۔

پھر تھوڑی دیر بعد ہی وہ اس تعریف میں اتنا اضافہ اور کریں گے کہ جدید ہندی زبان و ادب کے لئے صرف ہندی الفاظ کافی نہیں بلکہ تدبھوا ہندی لفظوں میں سنسکرت کے تت سم لفظوں کو شامل کرنا بھی ضروری ہے۔

بظاہر یہ بہت سادہ اور قابل فہم بات معلوم ہوتی ہے لیکن زندگی کی متضاد حقیقتوں میں ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ ایک سادہ بات جو بادی النظر میں بدیہی معلوم ہوتی ہے اصلیت میں معنی کے اعتبار سے بالکل متضاد ہوتی ہے۔ ہندی جس کی تعریف اس کے حامی مذکورۂ بالا لفظوں میں کرتے ہیں قریب قریب پندرہ کروڑ افراد کی زبان ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ لیکن آسانی سے یہ بات فراموش کر دی جاتی ہے کہ اگر ایک طرف سب سے زیادہ تدبھوا ہندی الفاظ اور فقرے ہندی میں شامل ہیں تو دوسرے نمبر پر اُس کے الفاظ و زبان کا بڑا ذخیرہ صرف عربی اور فارسی الفاظ پر بھی مشتمل ہے۔ ہندی کے موجودہ ذخیرۂ الفاظ میں سنسکرت کے تت سم لفظوں کی تعداد مشکل سے ہزار دو ہزار ہو گی لیکن عربی اور فارسی الفاظ کی تعداد جو عام طور پر شہری و دیہاتی تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ ہندی بولنے والے عوام ہر وقت استعمال کرتے ہیں دو ہزار سے زیادہ ہے۔ ان میں سے یہاں چند الفاظ بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔ دام، درد، دوا، علاج، بیمار، مصیبت، آفت، قسمت، تماشہ، جادو، حلوا، شک، کتاب، سوال و جواب وغیرہ۔ اس مضمون کا ہر پڑھنے والا جو ہندی کا شیدائی بھی ہو اور جس نے کبھی اُردو بھی نہ پڑھی ہو ایسے ہزاروں لفظ روزانہ بولتا ہے اور تلاش سے ایسے ہزاروں لفظ اس کو مل سکتے ہیں جو ہندی بولنے والوں کی زبان کا لازمی جزو بن گئے ہیں۔

اب ذرا اتنی ہی یا اس کے قریب تعداد کے ایسے سنسکرت کے تت سم لفظوں کی فہرست بنا کر دیکھئے جو ہمارے عوام کی بولی کا لازمی حصہ ہو گئے ہوں اور پھر ذرا ٹھنڈے دل سے سوچ کر فیصلہ کیجئے کہ ایسے عربی اور فارسی کے الفاظ کو خارج کر دینے سے ہماری زبان پاکیزہ ہو گی یا مجروح و زخمی اور لنگڑی اور لولی ہو جائے گی۔ فیصلہ یہ کرنا ہے کہ آیا ہم کو ایک رواں دواں ہندی بولی کی ضرورت ہے یا ایک شکستہ و ناہموار ثقیل بولی کی۔

بات صرف یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ شاید بڑھ چڑھ کر بولنے والا ہندی کا ایک بھی حامی اور ڈھنڈورچی نہ تو اس حقیقت کو جو مندرجۂ بالا حقیقت سے زیادہ اہم اور دور رس ہے کبھی سمجھا اور نہ اُس نے سمجھنے کی کوشش کی۔ یہ حقیقت اس قدر زیادہ بڑی اور اظہر من الشمس ہے کہ ہندی کے حامیوں کو نہ تو نظر آتی ہے اور نہ وہ اس کو تسلیم کرنے پر تیار ہوتے ہیں۔

اور وہ حقیقت یہ ہے کہ تدبھوا ہندی کا ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو اُردو کا لفظ نہ ہو۔ ہندی کی کامل لغت مع با فی صدی عربی فارسی لفظوں کے اضافے کے ساتھ کامل اُردو لغت ہے۔

اُردو لغت

سنسکرت کے سو دو سو تت سم لفظ بھی جن کو ہندی کے تعلیم یافتہ یا غیر تعلیم یافتہ عام طور پر بولتے ہیں اُردو کی لغت کے الفاظ ہیں۔ ایک بہت زیادہ اہم اور جاندار حقیقت یہ ہے کہ اردو نظم و نثر کی قریب قریب ہر کتاب میں اسی ضخامت کی ہر ہندی نظم و نثر کی کتاب کے مقابلے میں دس سے لے کر ۱۰۰ گنا تک زیادہ ہندی الفاظ ہوتے ہیں۔ واضح لفظوں میں حقیقت یہ ہے کہ اُردو کے مصنف ہندی مصنفوں سے کہیں زیادہ ہندی الفاظ استعمال کرتے ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ اُردو میں جو ہندی الفاظ اور فقرے استعمال ہوتے ہیں وہ ہندی کتابوں کے مقابلے میں زیادہ بامحاورہ حبیبن و دلکش شاندار اور پُر اثر ہوتے ہیں چنانچہ ہندی پڑھنے والوں میں ناگری رسم الخط میں لکھی ہوئی اُردو نظم و نثر کی کتابوں کی خریداری ہندی مصنفین کی کتابوں کی خریداری سے سیکڑوں گنا زیادہ ہے۔

ہندی کی تحریک آزمائش کے طور پر ناگری رسم الخط کی بحالی کے لئے شروع ہوئی تھی۔ ابتدائی ادارے جو اس مقصد کے لئے قائم ہوئے تھے ناگری پرچارنی سبھاؤں کے نام سے موسوم تھے۔ اُنکا اصلی مقصد اُردو کو خارج کرنے کا نہیں تھا بلکہ فارسی رسم الخط کی بجائے ناگری رسم الخط رائج کرنا تھا۔ خیر یہاں تک تو معاملہ ٹھیک اور درست تھا۔ نفرت اور دشمنی ہر زبان کی ترقی اور نشو و نما کے لئے مہلک ہوتی ہے چنانچہ ہندی کا بھی حشر ہوا کہ جو تحریک ایک خاص قسم کے رسم الخط کے حق میں شروع ہوئی تھی وہی ہندی میں سنسکرت کے الفاظ ٹھونسنے کی تحریک میں تبدیل ہو گئی جس نے عقل و حواس پر کاری ضرب لگائی۔ درحقیقت ہم نے سمجھ بوجھ کے ساتھ ہندی سے محبت نہیں کی چنانچہ اس کا انجام تباہ کُن ہوا۔

خوف زدہ طرزِ تحریر

سب سے بڑی گھبراہٹ یہ تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہندی ذرا بھی اُردو سے مشابہ ہو جائے۔ چنانچہ نتیجہ میں ایک گھبرائے ہوئے

طرزِ تحریر نے جنم لیا جو ایک نئی دنیا بنانے کی ناکام کوشش کے مترادف ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیئے کہ ہندی اُردو کی مشابہت کے خوف سے ایسی گھبرائی ہوئی تھی کہ وہ غیر موزوں اور ناہموار سنسکرت کے ناآشنا لفظوں کے انبار میں دب کر رہ گئی۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کوئی خوف و گھبراہٹ دور کرنے کے لئے سیٹی بجانے لگے۔ اس حقیقت سے بعید لسانی ہٹ دھرمی نے ہندی کو بجائے فائدے کے نقصان پہنچایا۔ اس لئے مجھے ڈر ہے کہ ہندی ادیبوں کا اگر نفسیاتی تجزیہ کیا جائے تو کچھ زیادہ دل خوش کن ثابت نہ ہوگا اگر سنسکرت کو حدِ اعتدال میں رکھا جاتا تو وہ ہندی کے لئے یقیناً ایک نعمت ثابت ہوتی۔ مگر وہ اب ایک لعنت اور مصیبت بن گئی ہے۔

اُردو جو ہندی لفظوں، فقروں، محاوروں اور اصطلاحوں کی سب سے بڑی محافظ تھی وہ ہندی کے اندھے جنونیوں کے نزدیک ایسی لعنت سمجھی جانے لگی کہ وہ اُردو الفاظ کے ساتھ انتخابی عمل کے بجائے اخراجی عمل کی مہلک غلطی میں مبتلا ہوگئے، اپنے کورانہ اور غافلانہ تشدد پسند طرزِ عمل کی بنا پر ہندی تحریک نے الفاظ کے انتخاب کرنے کے طریقۂ کار کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ جہاں تک اُردو کا تعلق ہے وہ اس غلط اور تباہ کن تصور کا شکار ہوگئی کہ یا تو اُردو کو پورے طور پر اپنایا جائے یا اُس کو بالکل نکال باہر کیا جائے۔ چنانچہ ہندی کے انتہا پسندوں نے انہی نعروں سے کام لیا جو لسانیات کی دُنیا میں قطعی ناممکن العمل ہیں۔

ہندی کے جنونی اسی تباہ کن وہم میں گرفتار ہوگئے کہ ان کے سامنے صرف یہی دو راستے ہیں کہ یا تو اُردو کو تسلیم کریں یا اُس کو بالکل مسترد کر دیں۔ اسی غلط طریقۂ کار نے اُنھیں اس تباہ کن فیصلے پر مجبور کر دیا کہ اُردو کو بالکل خارج البلد کر دیا جائے۔ چنانچہ اس رد و اخراج کے عمل سے نہ صرف اُردو کے عربی اور فارسی الفاظ بلکہ ہزاروں خالص ہندی کے شبدوں، فقروں، محاوروں اور اصطلاحوں کا دیس نکالا ہو گیا۔ اُردو نے جن لفظوں کو بھی ذرا چھوا یا وہ ہندی کے جنونیوں کے نزدیک اچھوت بن گئے۔ اس سے عربی اور فارسی کے لفظوں کو اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا خود ہندی کے لفظوں کو۔

میں نے ہندی کے ہر ممتاز اور سربرآوردہ حامی سے اس سلسلے میں بات چیت کی ہے۔ جب کبھی زبان و بیان اور اُردو ادیبوں کے استعمال کردہ لاتعداد حسین ترین ہندی لفظوں، فقروں اور محاوروں کے ایسے حسین استعمال کے بارے میں جس کی صلاحیت ہندی ادیبوں میں نہیں پائی جاتی اُن سے بات چیت ہوئی تو وہ اکثر برہم ہو کر خود ہندی کے خلاف برس پڑے اور ہندی کھڑی بولی کی پوری دنیا کے خلاف دانت پیسنے اور مُکے دکھانے لگے۔ اس طرح ہندی تحریک کا انجام خودکشی اور ابلہ فریبی کی شکل میں منظرِ عام پر آیا۔

ہندی جس قدر اُردو سے کنارہ کش ہوتی گئی اسی قدر خود اپنے سے بھی دور ہوتی گئی۔ گویا ہندی تحریک خود اپنے وجود سے ڈرنے، اپنے سائے سے بدکنے اور اپنی ذات سے شرمانے لگی۔ اُردو کو مٹانے کی کوشش میں اس نے خود اپنے کو مٹا ڈالا۔ جدید ہندی نظم و نثر کے پورے مجموعے میں ہم کو قدم قدم پر سنسکرت لفظوں کا غلط اور جاہلانہ استعمال دکھائی دیتا ہے اور ہندی کے لفظوں کا استعمال تو اس سے بھی زیادہ بھونڈا اور بدنما ملتا ہے خالص سنسکرت استعمال کرنے کی وجہ سے جو تھوڑے بہت ہندی کے بے جان لفظ باقی رہ گئے ہیں اُن کی حیثیت بھی ہندی ادیبوں کی نظر میں اچھوتوں اور شودروں سے بدتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندی کی تحریک خودشکستگی کا شکار ہوگئی۔ اب حقیقت کھل کر اس طرح سامنے آئی کہ اُردو نے کیونکہ ہندی لفظوں، فقروں اور اصطلاحوں کو جوں کا توں تسلیم کر لیا تھا اس لئے ہندی کے پرستار خود ہندی کے دشمن بن گئے۔ اُردو کے ساتھ اخراجی عمل خود ہندی کے لئے بڑا گراں ثابت ہوا۔ جہاں تک ہندی کی جدید تصنیفوں اور تحریروں کا تعلق ہے ہندی قریب قریب دیوالیہ ہوگئی ہے۔ ہندی نظم و نثر کا پورا ادب ادبی حسن کے دھوکے میں دماغی انتشار کا شکار ہے۔ درحقیقت یہی ہندی کی تباہ کن غلط روی ہے۔

"ہندی کی غلط روی" کے عنوان سے میرا یہ مطلب نہیں کہ ہندی کی تحریک غلط تھی بلکہ مدعا یہ ہے کہ ہندی کی تحریک امید افزا اور صحت دماغی کی پیداوار تھی۔ اُس نے آگے چل کر حد سے زیادہ نقصان دہ بلکہ خودکشی کا خوفناک طریقِ عمل اختیار کر لیا۔

سنسکرت کی بجائے اُردو

معاصر قومی آواز کے خصوصی نمائندہ کی اطلاع ہے کہ ہندی اخبار "پردیپ" کے اڈیٹر اور کنیا ودیالیہ ہائیر سکنڈری اسکول رامپور کے منیجر شری آر ایس دیواکر نے اپنے اسکول میں سنسکرت کو ختم کرکے اُردو کو سہ لسانی فارمولے میں جگہ دی ہے اور تسنیم بانو صاحبہ کا تقرر بحیثیت اُردو ٹیچر بھی کر دیا ہے۔ جس کے نتیجے میں ساٹھ (۶۰) طالبات اُردو کی تعلیم تیسری زبان کے طور پر حاصل کر رہی ہیں۔

دیواکر جی نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ اُن کے نزدیک عوامی زبان اُردو کے مقابلے میں دیومالوی زبان سنسکرت کو فروغ دینا سخت لسانی تعصب اور تنگ نظری ہے۔

جے کرشن چودھری

نوحہ

[ایک عزیز دوست جناب شیخی کی دائمی مفارقت پر جو کہ وطن سے دور سامبسری ہیں ناگہانی موت کا شکار ہوئے]

زندگی بہتی رہی آبِ رواں کی مانند
کبھی ہلکی سی کبھی خوابِ گراں کی مانند
وقت کی لہروں پہ محبوب سا چہرہ اُبھرا
اور پھر ہو گیا گم وہم و گماں کی مانند
دل رُبا چہرے پہ کیوں چھایا قضا کا سایہ
کیوں بہاروں کا ہوا رنگ خزاں کی مانند
ہو گئی کیوں وہ چہکتی ہوئی بلبل خاموش
کیوں گرا پھول جو گلشن میں تھا جاں کی مانند
رند جھوم اُٹھتے تھے مستانہ ادا پر جس کی
اب یہاں کون ہے اُس پیرِ مغاں کی مانند
خاک اُڑتی ہے جہاں قہقہے ہوتے تھے بلند
نغمۂ بزم ہے اب آہ و فغاں کی مانند
گرچہ دل بھی وہی اُس کی وہی ذوقِ طلب
ڈھلتے سالوں میں وہ تھا مردِ جواں کی مانند
عمر بھر یادِ چتر ہم کو رُلائے گی حبیب
غم ستائے گا سدا دردِ نہاں کی مانند

اختر بستوی

کوزے

(۱)

آج بھی دہر میں انساں ہے اندھیروں کا شکار
اب بھی تاریک ہیں دل، ابھی روشن ہو دماغ
مطمئن ہو گئے تحقیق و تجسس کے غلام
دے کے تہذیب کے ہاتھوں میں کتابوں کے چراغ

---

(۲)

عشرت و عیش کی سوغات نہیں میرے لیے
جیسے چھنتے ہیں سدا آمری قسمت کی کلیل
پھر بھی یوں سایہ فگن ہے تری الفت مجھ پر
جیسے گرتی ہوئی دیوار پہ انگور کی بیل

---

(۳)

میری ہستی کو تری ذات سے اُلفت ہے مگر
مجھ میں اور تجھ میں بہت فرق ہے اے جانِ جہاں
میں ہوں وہ گیت جسے گا نہ سکی دنیا ہنوز
تو وہ نغمہ ہے جو ہر شخص کے لب پہ ہو رواں

---

(۴)

میرے پیکر میں کچھ اس قسم کی رعنائی ہے
جیسے ہو جائے مجسّم کسی فنکار کی آس
جیسے بن جائے کوئی خواب حقیقت اے دوست
جیسے مل جائے کسی وہم کو شعور کا لباس

انجمن اشاعتِ اُردو میسور کی طالبات کا اجلاس

انجمن اشاعتِ اُردو میسور کی طالبات کا اجلاس زیرِ صدارت اختر النساء صاحبہ ہوا۔ انجمن کے سکریٹری سلیم تمنائی صاحب نے اپنی پُرمغز تقریر میں علم کی اہمیت، مادری زبان کی حیثیت اور قومی و بین الاقوامی زبان کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے زبانوں کے بحران اور لسانی تعصب کی پُرزور مذمت کی اور قومی یکجہتی، باہمی میل ملاپ، سماجی یک رنگی اور انقلابِ آزادی کے لیے اُردو نے جو خدمات انجام دی ہیں اُن پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ آخر میں صدرِ محترمہ نے خواتین سے علم و عمل کے میدان میں زیادہ سے زیادہ ترقی کرنے کی اپیل کی۔

ٹانڈہ میں اُردو کے لئے جدوجہد

(بحوالہ قومی آواز) مقامی انجمن ترقی اُردو کے دفتر سے معلوم ہوا ہے کہ انجمن کے ایک وفد نے ایجوکیشن سپرنٹنڈنٹ میونسپل بورڈ ٹانڈہ سے اُن کے دفتر میں ملاقات کی۔ وفد نے انھیں بتایا کہ انجمن کے تحریری اطلاعات موصول ہوئی ہیں کہ میونسپل گرلز جونیر ہائی اسکول ٹانڈہ میں ابھی تک اُردو کی تعلیم کے انتظامات نہیں کئے گئے۔ وفد نے ایک میمورنڈم پیش کرتے ہوئے اُن سے مطالبہ کیا کہ سہ لسانی فارمولے کے تحت مذکورہ اسکول میں پڑھنے والی طالبات کے لئے اُردو کی تعلیم کے سلسلے میں جلد سہولتیں فراہم کریں۔

ایجوکیشن سپرنٹنڈنٹ صاحب نے ارکانِ وفد کی باتوں کو توجہ اور ہمدردی کے ساتھ سُنا اور یقین دلایا کہ وہ جلد ہی مذکورہ اسکول میں اُردو کی تعلیم کے سلسلے میں ضروری سہولتیں فراہم کریں گے۔

ارکانِ وفد کی درخواست پر اُنہوں نے اخبارات میں اشاعت کے لئے اُردو لیڈی ٹیچر کے لئے ایک اشتہار دینے کا وعدہ کیا۔

کوٹہ میں مولانا آزاد لائبریری

گزشتہ ماہ جناب مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی صدر جمعیۃ علمائے ہند نے کوٹہ میں مولانا آزاد لائبریری کا افتتاح کرتے ہوئے قوم کی ذہنی اور دماغی تربیت کیلئے لائبریریوں اور دارالمطالعوں کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور لائبریری کے لئے کارکنوں کی مخلصانہ سرگرمیوں کے پیشِ نظر اچھی توقعات کا اظہار کیا۔

لائبریری کے سرگرم رُکن عقیل احمد شاداب نے جناب مفتی صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ لائبریری کی طرف سے ایک ادبی پرچہ نکالنے اور تعلیم بالغان کا انتظام کرنے کے معاملات پر بھی غور ہوا۔ جس پر عنقریب عمل درآمد ہو گا۔

ناظم میواتی سہسرامی

اُردو اور ہندی کی گنتی

آج کل اُردو املا میں ضروری اصلاح لانے کی ایک کوشش جاری ہے۔ انجمن ترقی اُردو ہند نے ایک بورڈ کی تشکیل کی ہے تاکہ مختلف فیہ مسائل میں اہل رائے حضرات کے مشورے حاصل کر کے مناسب فیصلہ کیا جا سکے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک نہایت ہی اہم فریضہ اور دورِ حاضر کا ایک واضح تقاضا ہے۔ اب تک جو تجویزیں آئی ہیں ان سے جزئی اختلاف رکھتے ہوئے بھی اس طریقۂ کار کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

املا اور تلفظ کی پیچیدگی بچوں کے ذہن اور دماغ پر ایک بھاری بوجھ ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ان گتھیوں کے سلجھانے میں ان کا دماغ الجھ کر رہ جائے اور ترقی کی رفتار سست پڑ جائے ہمارا فرض ہے کہ جہاں تک ہو سکے ہم اپنے بچوں کے دماغ پر غیر ضروری اور ناقابلِ برداشت بوجھ نہ پڑنے دیں تاکہ تعلیم کی ابتدائی منزل وہ آسانی سے طے کر سکیں۔

املا اور تلفظ کے سلسلے میں اپنی ذاتی رائے محفوظ رکھ کر اس وقت میں محض اُردو اور ہندی کی گنتی کا مسئلہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میرا ذاتی خیال ہے اور تجربہ بھی یہی ہے کہ اُردو اور ہندی کی گنتی کا تلفظ بہت ناقص ہے۔ اس میں اصلاح کی اشد ضرورت ہے۔ ہم اپنے طلبہ کا یہ بوجھ ضروری سہولت بہم پہنچائے بغیر ہلکا نہیں کر سکتے۔

فارسی، عربی اور انگریزی کی گنتی کے بارے میں تو میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ان کے بولنے اور لکھنے میں یکسانیت ہے۔ ہر دہائی کا نواں عدد اپنے پہلے کے عددوں کی مناسبت سے بولا بھی جاتا ہے اور لکھا بھی جاتا ہے اس لئے ان زبانوں کے طلبہ کو گنتی کے سیکھنے میں بہت آسانی ہے۔ انھیں یہ محسوس بھی نہیں ہوتا کہ گنتی کے جاننے میں بھی الجھن نام کی کوئی چیز ہو سکتی ہے۔ اس کے برخلاف اُردو اور ہندی کی گنتی میں کسی دہائی کا نواں عدد اپنے پہلے کے عددوں کی مناسبت سے تو لکھا جاتا ہے لیکن اپنے بعد کی دہائی والے عدد کی مناسبت سے بولا جاتا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی غیر فطری طریقہ ہے۔ اس لئے ہمارے طلبہ کا دماغ اسے جلد قبول نہیں کرتا ہے۔ ہمارے بچّے ہمارے حکم پر "سینتالیس، اڑتالیس، انچاس، پچاس" رٹ تو جاتے ہیں لیکن جب ہم بطور امتحان "انچاس" لکھنے کو کہتے ہیں تو وہ "۵۹" لکھ دیتے ہیں۔ انچاس کو پچاس سے یک گونہ لفظی مناسبت ہے۔ اس لئے انچاس کو ۴۹ لکھنے میں اجنبیت محسوس ہوتی ہے۔ یہی اجنبیت اور غیر فطری لفظی مناسبت ہمارے بچّوں کو اس قسم کی غلطی کے ارتکاب پر مجبور کر دیتی ہے۔

جن لوگوں کو حساب کی ابتدائی تعلیم دینے کا تجربہ ہے وہ اس الجھن سے اچھی طرح واقف ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ بچّوں کو محض اسی مسئلے کے سمجھانے اور مشق کرانے میں کتنی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے پھر بھی بچّے یہ غلطی کرتے ہی رہتے ہیں اور ہم انہیں بتاتے ہی رہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جب تک ان کا شعور بالیدہ نہیں ہو جاتا صحیح معنی میں درستگی کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔

بہر حال اس طرح گنتی کے اس سمجھنے اور سمجھانے میں ہمارے بچّوں کا بہت سارا وقت رائگاں ہو جاتا ہے اور ہم کچھ نہیں کر پاتے۔ اس لئے میرا ذاتی خیال ہے کہ اُردو اور ہندی کے اہلِ علم اور صاحبِ رائے حضرات کو یکجا ہو کر گنتی کے تلفظ اور تحریر میں کچھ ضروری اصلاح لانے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ ان کے بولنے اور لکھنے میں، یہ جو عدم مناسبت اور روانی کا فقدان ہی نہیں بلکہ ایک قسم کا بے ڈھنگا پن بھی ہے، دور ہو جائے اور بچّوں کی دلچسپی اور سہولت کے پیش نظر روانی اور بہاؤ پیدا ہو سکے۔ اس طرح ہمارے بچّوں کے سر کا ایک بھاری بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔

اس سلسلۂ گفتگو کو اس منزل تک پہنچا دینے کے بعد یہ فرض ہو جاتا ہے کہ میں گنتی میں یکسانیت اور روانی لانے کے اثباتی پہلو کے روشن امکانات بھی سامنے لاؤں۔ اس لئے میں اپنی طرف سے بھی ایک تجویز پیش کرتا ہوں۔ اگر اس سے بھی زیادہ مناسب تجویز آ سکے تو کیا کہنا۔ اسے قبول کرنا ہم سب کا فرض عین ہے۔

میرا خیال ہے کہ جس طرح دوسری زبانوں میں کسی دہائی کے بعد کی ساری گنتیاں جس مناسبت اور روانی کے ساتھ اس کے نویں عدد تک چلتی ہیں اسی طرح اُردو اور ہندی میں بھی اس مناسبت اور روانی کو نویں عدد تک قائم رکھنا چاہئے، یعنی سترہ اور اٹھارہ کے بعد نوارہ (۱۹) ستائیس اور اٹھائیس کے بعد نوائیس (۲۹) سینتیس اور اڑتیس کے بعد نوتیس یا نتیس (۳۹) سینتالیس یا اڑتالیس کے بعد نوتالیس یا نتالیس (۴۹) سنتاون اور اٹھاون کے بعد نوٹھاون (۵۹)، سڑسٹھ اور اڑسٹھ کے بعد نوسٹھ یا انسٹھ (۶۹)، ستہتر اور اٹھہتر کے بعد نوہتر یا نہتر (۷۹) ستاسی اور اٹھاسی کے بعد نواسی (۸۹) اور ستانوے اور اٹھانوے کے بعد نونانوے یا ننانوے (۹۹) کہنا سہل، انسب اور رواں ہے

یہ بھی پیش نظر رہے کہ اُن (उन) سنسکرت زبان کا ایک سابقہ (Pre-fix) ہے جس کا معنی ہے "کم"۔ اس لئے اُن + تیس = اُنتیس (उन + तीस = उन्तीस) کا معنی ہوا "تیس سے کم" یعنی ۲۹۔ اس لئے اس لفظ کو ۳۹ کے لئے استعمال کرنا معنوی اعتبار سے غلط ہوگا۔ پھر بھی میں اس

قتیل کے الفاظ کو اپنی تجویز سے خارج نہیں کر سکا ہوں محض اس خیال سے کہ ان میں روانی ہے اور یہ پہلے سے مستعمل ہیں میں نے انہیں جس مقام پر رکھا ہے وہاں وہ روانی کے دوسرے عددوں کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔

اگر ہم اپنے بچوں کو اس قسم کی سہولت دے سکے تو ہمیں امید ہے کہ گنتی کی تعلیم کی اس منزل میں دوسری زبان کے بچوں کو جو آسانی میسر ہے اس سے یہ بھی مستفیض ہو سکیں گے اور ان کی راہ میں جو رکاوٹ ہے وہ دور ہو جائے گی۔

اُن کی اُردو نوازی، ہماری بے سیاسی

محترم جناب ڈاکٹر قمر رئیس صاحب کا تازہ مراسلہ (۵ نومبر) بار بار پڑھا۔ ان کے بھولے پن پہ اب کیا کہا جائے۔ یہاں وطن میں تو سر پہ آرے چل رہے ہیں اور انہیں غیر وطن کی فکر دامنگیر۔

اُردو کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ اس کی آبادی کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے؛ اور مسلمانوں کی حالت، خود ساختہ ہو یا غیر خود ساختہ؛ ہندوستان میں کیا ہے، یہ کون نہیں جانتا۔ پھر، مسلمان کمیونزم کو اپنے مذہب کے لئے خطرہ گردانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ روس میں مذہب کے خلاف تحریکات کی آزادی ہے، مگر مذہب کی تبلیغ ممنوع ہے؛ اور یہ مذہب شکنی کی پالیسی ہے۔ دھیان رہے کہ مسلمانوں میں تبلیغی جذبہ بہت زیادہ ہے۔

مزید، اُردو کی ایک بڑی آبادی پاکستان میں ہے اور پاکستان نے روس سے ثقافتی تعلقات بالکل منقطع کر رکھے ہیں۔

غریب اُردو عوام کے پاس اتنا پیسہ کہاں کہ وہ کتابیں خریدتے پھریں۔ یہاں غالب اور اقبال کے کلام کو تو کوئی پوچھتا نہیں؛ اور ڈاکٹر صاحب کو پشکن، طالسطائی، ترگنیف وغیرہ کا خیال ستا رہا ہے ——— تعجب ہے!

ہندی والوں سے اپنے کو نہ ملائیے۔ ان کے پاس پیسہ ہے؛ ان کے پاس دولت ہے؛ ان کی مالدار لائبریریاں ہیں؛ حکومت کا ساتھ میسر ہے؛ غیروں کی عنایتیں حاصل ہیں ——— ان کے ساتھ تو سب کچھ ہے۔

ریڈیو پر تو دنیا بھر کے پروگرام ہوتے ہیں۔ انسان کس کس کی خبر لے۔ غزل کے غول والی اُردو آبادی کی طرف مت جائیے؛ دیکھئے پڑھے لکھوں کی تعداد کیا ہے؛ باذوق لوگ کتنے ہیں؛ ادب نوازوں کی گنتی کہاں تک پہنچتی ہے۔ اور پھر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں۔

ڈاکٹر صاحب کے کامل احترام کے ساتھ،

میں ہوں،

اقبال کرشن

"کیا مشاعروں اور فلمی غزلوں سے اُردو زندہ رہ سکتی ہے"

(۲۰ر نومبر کے ہماری زبان کے نصیر الدین ہاشمی صاحب کے مضمون کے سلسلے میں)

ادارے نے ہاشمی صاحب کے مایوس کن خیالات کو بڑے صبر کے ساتھ نہ صرف برداشت کیا ہے بلکہ شایع کیا اور قارئین کو بحث کی دعوت بھی دی ہے۔

مجھے نہ تو ہاشمی صاحب سے کوئی ذاتی پرخاش ہے اور نہ ہی میں خواجہ احمد عباس صاحب کا حلقہ بگوش ہوں۔ میں "فکر و عمل" کی سطح پر بات کرنا چاہتا ہوں اس لئے کہ جس شخص نے زندگی بھر تحقیق اور چھان بین کو اپنا مسلک بنایا ہو وہ اگر تخلیق کے اثرات اور امکانات پر مایوس کن خیالات ظاہر کرے تو مجھ جیسے طفل مکتب کو بھی یہ بتانا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ کہاں حقیقت سے دور جا پڑے ہیں۔

ہاشمی صاحب نے خواجہ احمد عباس صاحب کے ان خیالات سے جنہیں انہوں نے اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے کہ "ہندوستان میں اُردو مر نہیں سکتی کیونکہ جو مشاعرے ہوتے ہیں اور فلموں میں جو اُردو غزلیں گائی جاتی ہیں اور جو اخبار اور رسائل شایع ہوتے ہیں، ان کے پیش نظر ہندوستان میں مر نہیں سکتی" سے اختلاف ظاہر کرتے ہوئے جو حقائق پیش کئے ہیں اُن سے کس کو اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے شواہد کی روشنی میں جو نتائج اخذ کئے ہیں، انہیں عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی۔

سب سے پہلے ہاشمی صاحب یہ تسلیم کریں گے کہ زبان انسان کی "تخلیق" ہے، "تحقیق" نہیں، زبان انسان کے تخلیقی عمل سے وابستہ رہ کر ہی استواری اور استحکام پا سکتی ہے۔ چنانچہ فلمی گیت، مکالمے اور مشاعرے خواہ وہ کسی سطح کے کیوں نہ ہوں، انسانی جذبات اور فکر کے اجتماعی اظہار کے وسائل ہیں۔

اُردو زبان کو مشاعروں اور فلمی گیتوں سے جو ہندوستان گیر شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی ہے وہ اور کسی زبان کو نصیب نہیں، شمال سے جنوب تک بسنے والوں کے کانوں میں اُردو غزلوں کا رس ٹپکانے اور مختلف بولیوں کے لوگوں کو بول چال کی سطح پر ہی اُردو زبان کو سیکھنے اور بولنے پر راغب کرنے کے ضمن میں خواجہ احمد عباس صاحب کے حلقہ کے ادباء و شعراء نے جو کارنامے انجام دئے ہیں، انہیں پچاس ہزار محققین بھی مل کر انجام نہیں دے سکتے۔ خواجہ احمد عباس صاحب کے ادبی مسلک سے اختلاف تو سمجھ میں آ سکتا ہے، لیکن اُردو کے لئے ان کی کوششوں کا جن میں اُردو بلٹز کا اجرا بھی ہے، اعتراف نہ کرنا ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں۔ اُردو کے بارے میں ان کے خیالات سے کیا اختلاف کیجئے گا؟

بقول ہاشمی صاحب کہ زبان جب "بول چال کی سطح پر

زندہ رہ سکتی ہے" تو وہ تخلیقی اور تحریری حیثیت سے بھی زندہ رہ سکتی ہے۔

جو آدمی "میں جی نہیں سکتا" "میں جی نہیں سکتا" کہے جائے اور زندہ درگور ہو جانا چاہے، اسے کوئی کہاں تک روک سکتا ہے؟

البتہ جو آدمی زندہ رہنے کی بے پناہ لگن اور حوصلہ رکھتا ہے وہ قبر میں پاؤں اتارنے کے بعد بھی ہٹ جاتا ہے۔

زبان کی زندگی سے آدمی کی زندگی کی حیاتیاتی تمثیل ویسے بھی غلط ہے۔ میں یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ خود اپنی عائد کردہ مایوسی، مایوس کن حالات سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن ہوتی ہے۔

برسر اقتدار طبقہ کی لسانی عصبیت و آمریت اور حکومت کی نااہلیت اور دورخی پالیسی کے خلاف اردو داں طبقے کی تگ و دو سے قطع نظر اردو کی بقا و تحفظ کی کوششوں میں رکاوٹ اور مستقبل سے مایوسی پیدا کرنے والوں میں جو شعوری اور لاشعوری طور پر پیش پیش ہیں ان میں سن رسیدہ، شکست خوردہ، تحقیقی ذہن رکھنے والے افراد اور زاہد خشک لوگ بھی ہیں جنھیں مصلحت پرستی اور زمانہ سازی میں کوئی زیادہ فرق نظر نہیں آتا اور جو بدقسمتی سے اردو کے اشاعتی وسائل پر قابض ہیں۔ انہی تحقیقی ذہنیتوں نے ہمارے تخلیقی ادب کے اشاعتی وسائل کو مسدود کر رکھا ہے اردو ادب، فکر و نظر، جامعہ، نوائے ادب، سب رس، نیا دور (لکھنؤ) اور یونیورسٹی کی مجلہ میں اور خس و خاشاک کو کون سمیٹے ہے۔ "نیا دور" زندہ ادیبوں اور زندہ کتابوں کے بارے میں مضامین شائع کرنے سے معذور ہے۔" آج کل اقبال کے شاہین اور گاندھی کے عدم تشدد میں مناسبت قسم کی چیزوں کو ترجیح دیتا ہے۔ ایسے میں ہاشمی صاحب لکھتے ہیں کہ "تحقیقی اور علمی کتب اور رسائل کتنے خریدے جاتے ہیں؟" یہاں تو زندہ ادیبوں اور زندہ کتابوں کو ناقدری کا شکار ہونا پڑ رہا ہے۔ گڑے مردوں کو کون سینے سے لگائے گا؟

میں تحقیقی ادب کے یکسر خلاف نہیں ہوں، علم اور آگہی کے لئے تحقیقی اور تنقیدی ادب بھی ضروری ہے لیکن یہ کیا کہ بے شمار رسالے محض انہیں علوم کے لئے وقف کر دئے جائیں اور پھر یہ شکایت کی جائے کہ تحقیقی اور تنقیدی کتب و رسائل خاطر خواہ خریدے نہیں جاتے۔ اور یہ کہ آج کل سنجیدہ ادب کی پہلے جیسی قدر نہیں رہی وغیرہ وغیرہ۔

تحقیق اور تنقید کا طالب علم ہر کس و ناکس نہیں ہو سکتا سنجیدہ اور خشک اساتذہ کا یا پھر یونیورسٹی سے نکلے ہوئے اس رنگروٹ کا جسے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری سے رعب جمانا ہوتا ہے، مشغلہ ہے۔ اس لئے یہ توقع کرنا کہ بے شمار تحقیقی رسائل اور کتب کثیر تعداد میں فروخت ہوں حقیقت سے ناآشنائی ہے۔

یہ تو تحقیقی کتب و رسائل کی بات ہوئی،

تخلیقی کتب اور رسائل میں بھی یہ جمود رہے گا۔ جو شخص اور ساحر کو پڑھ لیتا ہے وہ عبد العزیز خالد اور سلیم الرحمٰن کو بھی سمجھ سکتا ہے۔ جو شمع اور بیسویں صدی کو چاٹ جاتا ہے وہ سوغات اور نیا دور (کراچی) کو بھی ہضم کر سکتا ہے؟

فکر اور معیار کی سطح پر رسائل اور کتب کی اشاعت اور تعداد میں جو فرق ہے اسے اردو زبان کے لئے شگون بد سمجھنا زبان کے ارتقائی اصول سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

ہر اردو داں کو انجمن ترقی اردو کا ممبر ہونا ضروری نہیں، ضرورت صرف انجمن کے فیصلوں پر عمل کوشش کی ہے۔ انجمن کے موجودہ ممبر سنجیدہ عمل اور ٹھوس اقدام کے لئے آمادہ ہو نا تو درکنار اپنی کوششوں سے مایوس اور نتائج سے مشکوک نظر آتے ہیں۔ نصیر الدین ہاشمی صاحب انجمن کے ممبر نہیں ہیں؟

دفتروں، عدالتوں اور کمپنیوں میں اردو کا چلن نہیں ہو رہا ہے تو اس کی ایک وجہ اردو کی طباعتی قدامت ہے۔ انجمن ترقی اردو (اس ضمن میں تجارتی، صنعتی اور اشتہاری فرموں کو اردو کے تراجم اور کتابت و طباعت سے متعلق ضروری سہولتیں رضاکارانہ طور پر مہیا نہیں کر پائی) دوسری وجہ یہ ہے کہ اردو زبان معاشی آسودگی کا وسیلہ نہیں رہی۔ اردو داں حکومت سے اردو کو علاقائی زبان تسلیم کئے جانے کا مطالبہ کرتے ہیں تو وہ گویا مادری زبان کی حیثیت سے معاشی وسائل کا مطالبہ کرتے ہیں۔

اگر حکومت ان مطالبات سے چشم پوشی کرتی ہے تو اس سے ہمت ہار دینا اور یہ سمجھانے کی کوشش کرنا کہ اب اردو زندہ نہیں رہ سکتی۔ اردو کے مقصد کو نقصان پہنچانا ہے۔

حکومت ایک منہ زور جانور ہے۔ جانور کے منہ میں لگام دینا اور اس سے کام لینا انسان عہد وحشت سے ہی سیکھ چکا ہے۔ نصیر الدین ہاشمی صاحب کو مایوس ہونے کے بجائے ہر شعبۂ حیات میں اردو کی ترویج و اشاعت کی حوصلہ افزائی کرنا چاہئے۔ (مقبول عالم۔ بمبئی)

انجمن تعمیر اردو کا تاریخی مشاعرہ

۲۸ر نومبر کو حامد سعید خاں صاحب ساحل ٹونکی کی صدارت میں انجمن تعمیر اردو کے زیر اہتمام اردو ہال دہلی میں ایک شاندار طرحی مشاعرہ ہوا۔ دلی کے مشہور و ممتاز شاعروں، ادیبوں، ناقدوں اور افسانہ نگاروں کے علاوہ ادب نواز سامعین نے کثیر تعداد میں شریک ہو کر مشاعرے کو تاریخی یادگار بنا دیا۔

صدر محترم نے گلزار دہلوی اور اراکین انجمن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انجمن کی سرگرمیوں کے نتیجہ میں ایک شاندار مستقبل کی پیشگوئی کی بعد ازاں چند عظیم فوجی جنرلوں کے ہوائی حادثہ میں شہید ہو جانے پر اظہار تعزیت کے بعد مشاعرہ شروع ہوا اور بڑا کامیاب رہا۔

نائب صدر جمہوریہ کی تقریر

۱۰ر نومبر کو بمبئی میں نائب صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں نے امید ظاہر کی ہے کہ ہندی اور اُردو جو ایک دوسرے کی بہنیں ہیں ان کے خوشگوار ملاپ سے ایک میٹھی اور آسان زبان وجود میں آئے گی جس سے ہر ایک محبت کرے گا اور جو سب کے لئے قابلِ قبول ہوگی۔ ہندی اور اُردو کے حامیوں کے آپس کے جھگڑے ختم ہو جانا چاہئیں۔ کیونکہ ان دونوں زبانوں کے سلسلے میں پرانی بحثیں اور اختلافات اب بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں۔

نائب صدر جمہوریہ نے ان خیالات کا اظہار کل یہاں بمبئی ہندی ودیا پیٹھ کی سلور جوبلی تقریبات کا افتتاح کرتے ہوئے کیا۔ ودیا پیٹھ ہر سال پورے ملک میں ایک ہزار سینٹروں پر تقریباً ۸۰ ہزار طلبہ کے ہندی امتحانات کا انتظام کرتی ہے۔

ہندی اور اُردو ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں اور ان میں بڑی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ یہ سوچنا غلط ہے کہ اُردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے کیونکہ اُردو میں غیر مسلم ادیبوں اور شاعروں کی ایک طویل فہرست موجود ہے جو خاصی شہرت کے مالک ہیں۔ اُردو کوئی بیرونی زبان نہیں ہے یہ ایک ہندوستانی زبان ہے جو یہاں پھولی پھلی ہے۔ ہم کو اُردو کی زیادہ سے زیادہ کتابوں کو دیوناگری رسم الخط میں شائع کرنا چاہیئے۔

ہندی اور اُردو کے خوش گوار امتزاج کی بات ہندی کو ہندوستانی عوام کی زبردست اکثریت کے سمجھ سکنے اور استعمال کرنے والی زبان بنانے کے سلسلے میں کہی تاکہ یہ ہندوستان کی قومی زبان کا صحیح معنوں میں درجہ حاصل کر سکے۔

ہندوستان کے مختلف علاقوں کے عوام کے درمیان رابطہ قائم کرنے والی زبان کے طور پر ہندی وہ جگہ لینے کے لئے دوسری تمام زبانوں سے زیادہ موزوں ہے جو کسی زمانے میں فارسی اور انگریزی کو حاصل تھی۔ ہندی کا پرچار کرتے وقت اس بات کو خاص طور سے ذہن میں رکھنا ہوگا کہ ہندی عوام کو متحد کرنے کا کام انجام دے اور ان میں پھوٹ ڈالنے کا باعث نہ بنے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ہندی علاقائی زبانوں کی مخالف نہیں ہے اور نہ ہی ہندی کو علاقائی زبانوں کی جگہ دینے کا سوال ہے جو لوگ ہندی کی نشر و اشاعت کر رہے ہیں ان کو یہ کام اس خیال کے تحت نہ کرنا چاہیے کہ چونکہ آئین میں یہ بات کہی گئی ہے اس لئے وہ اسے انجام دے رہے ہیں۔ اسی جذبے کے تحت کام کیا جائے گا تو عام خیال یہ ہوگا کہ ہندی زبردستی مسلط کی جا رہی ہے۔ در اصل غیر ہندی علاقوں کے عوام کا دل اس معاملہ میں محبت سے جیتنا ہوگا۔ نائب صدر نے ہندوستان کو ایک خوبصورت ہار سے تشبیہ دی اور کہا کہ علاقائی زبانیں پھول ہیں اور ہندی ان کو گوندھ کر یہ ہار تیار کرنے والا دھاگہ ہے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین خاں نے کہا کہ ہندی والوں کو ہندی کو مشکل اور بھاری بنانے کی کوشش نہ کرنی چاہیئے کیونکہ اس طرح اسے بہت کم لوگ سمجھ سکیں گے۔ انہوں نے کہا کہ پنڈتوں کی زبان عوام کی زبان نہیں بن سکتی۔

ہم لوگ خود ہندی کو آسان بنانے کی کوشش نہ کریں گے تو عوام خود اسے آسان بنانے کا کام سنبھال لیں گے۔ اور یہ ایسی صورت ہوگی جس سے زبان کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے اور وہ خراب ہو سکتی ہے۔ (پیام)

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

۲۹ر نومبر کو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا علی گڑھ میں جلسہ ہوا جس کی صدارت جناب بدرالدین طیب جی نے فرمائی۔ علی گڑھ اور باہر کے نمائندوں نے جلسے میں شرکت کی۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر بدرالدین طیب جی نے اپنے خطبۂ صدارت میں اُردو کے متعلق مندرجۂ ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے:۔

ایک اور مسئلہ ہے جو ہمیں برابر فکر مند رکھتا ہے۔ یہ اُردو زبان کا مسئلہ ہے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اُردو زبان کی مقبولیت یا بنیادی طاقت کم ہو رہی ہے گو یہ صحیح ہے کہ ریاستی حکومتوں کا رویہ اس کے لئے کوتاہ بیں اور درشت ہے خصوصاً اس ریاست میں جس کی خصوصی آن بان اس کے دم سے تھی اور جس کو ہندوستان میں امتیاز زیادہ تر اس کی وجہ سے حاصل ہوا تھا۔ مجھے تو یہ دونوں پہلوؤں کے لحاظ سے ترقی کرتی دکھائی دیتی ہے۔ یہاں میری مراد اس زبان کی ترقی سے ہے جو ہندوستانی فلموں میں استعمال ہوتی ہے اور ہندی کہلاتی ہے یعنی اس زبان سے جو ہندی کے پُرجوش حامی بھی اپنے گھروں میں اور نجی طور پر بلکہ در اصل ہر جگہ بولتے ہیں سوائے پبلک پلیٹ فارم کے جہاں وہ اپنے رقیب ہندی کے حامیوں کی نگاہوں کی زد میں ہوں۔ ممکن ہے کہ اُردو کے کچھ ایسے حامی جو زبان کے معاملے میں کٹر ہیں اس زبان کو مجموعی طور پر پسند نہ کرتے ہوں اور اسے ہندوستانی کہہ کر نگاہوں سے گرانا چاہتے ہوں لیکن کم سے کم میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اُردو اس معنی میں خالص زبان کس طرح ہو سکتی ہے اور پھر بڑی بات یہ ہے کہ وہ خالص ہو بھی کیوں کیا یہ

واقعہ نہیں کہ اُردو کی نمایاں خصوصیت اور اس کی سب سے بڑی طاقت ایک ملفوظ زبان ہونے میں ہے جس کی وجہ سے اس میں یہ صلاحیت ہے کہ حسب موقع اور ضرورت وہ تمام دوسری زبانوں کے الفاظ کو شامل کر سکتی ہے۔ اس سے اس مفہوم کے پیش نظر مجھے مستقبل کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں محسوس ہوتا۔ لوگ جتنی زیادہ ہندی سیکھیں گے اس نسبت سے وہ اُردو زیادہ بولیں گے کیونکہ اُردو کا ذخیرۂ الفاظ محاوروں کے لحاظ سے زیادہ بڑا ہے اور اس کے فقرے بھی کلاسیکی ہندی سے زیادہ مؤثر ہوتے ہیں کیونکہ اُردو دوسری زبانوں اور ہندی سے بھی زیادہ الفاظ لے سکتی ہے اور لیتی رہی ہے جب کہ کلاسیکی ہندی ایک تنگ کلاسیکی زبان تک اپنے آپ کو محدود کرنے میں لگی رہتی ہے۔

مگر ہندی اور اُردو کے درمیان سرمایۂ الفاظ کے آزادانہ تبادلے کو فروغ دینے کے لئے اور ان تمام لوگوں کو اس کے خزانے سے آشنا کرنے کے لئے جو اس کے روایتی رسم خط میں اس کا ادب پڑھنے کی استعداد نہیں رکھتے یہ ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ اُردو کی کتابیں خواہ وہ نئی ہوں یا پُرانی دیوناگری رسم خط میں اور رومن رسم خط میں چھاپنے کی پیہم کوشش کی جائے جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا ہم نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں طلبہ کو یہ اختیار دیا ہے کہ بنیادی ہندی اور اُردو، رومن رسم خط کے ذریعہ سے پڑھ سکتے ہیں۔ یہ خاص طور پر ان طلبہ کے فائدے کے لئے ہے جو غیر ہندی یا غیر اُردو علاقوں سے آتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی امید ہے کہ اس سے بیرونی ممالک کے لوگوں کو ہماری زبانیں سیکھنے میں سہولت ہوگی اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے ملکوں میں جہاں سرکاری زبان انگریزی ہے ہندوستانی برادری کو مدد ملے گی تاکہ وہ اپنی زبان کے علم کو باقی رکھ سکے اور بغیر کسی دشواری کے اپنے بچوں تک اس کو منتقل کر سکے۔

تجاویز

تجویز نمبر ۱۔ صوبائی حکومتوں سے اپیل کی جائے کہ جن طلبہ کی مادری زبان اُردو ہے ان کے لئے پرائمری جونیر اور ہائی اسکولوں کے درجات میں ذریعہ تعلیم اُردو ہونا چاہئے۔ نیز اُن طلبہ کو امتحانات میں سوالات کے اُردو میں لکھنے کی عام اجازت ہونی چاہئے۔

تجویز نمبر ۲۔ جس طرح آزادی سے قبل یو۔پی کے تمام پرائمری جونیر اور ہائی اسکولوں میں درسی اور غیر درسی طور پر اُردو پڑھانے کا انتظام تھا اسی طرح اب بھی سہ لسانی فارمولا کے تحت ہر اسکول میں مادری یا غیر مادری زبان کی حیثیت سے اُردو پڑھانے کا انتظام ہونا چاہئے تاکہ اُردو ہندی پڑھنے والے دونوں ایک دوسرے کے قریب آ کر ان میں یکدلی محبت پیدا ہو۔

تجویز نمبر ۳۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ اُردو کی وہ کتابیں جو سرکاری مدارس کے نصاب میں داخل ہیں لیکن بازار میں نہیں ملتی ہیں جس کی وجہ سے اُردو پڑھنے والے طلبہ کو بڑی دقت کا سامنا ہو رہا ہے اور وہ اُردو کی تعلیم سے محروم ہو رہے ہیں ان کتابوں کی طباعت اور اشاعت کا انتظام ہونا چاہئے تاکہ اُردو پڑھنے والے طلبہ کی دقت و پریشانی دور ہو اور وہ آسانی کے ساتھ اُردو کی تعلیم حاصل کر سکیں۔

تجویز نمبر ۴۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ اُردو فارسی کی ایسی کتابیں جن سے نوجوانوں کی ذہنی اور اخلاقی اصلاح ہو سکے اور جو مدارس کے نصاب میں داخل ہو سکیں ان کا ترجمہ ہندی میں اور ہندی کا اُردو میں کرانے کا انتظام کانفرنس کو کرنا چاہئے تاکہ ہر زبان کا علمی سرمایہ دوسری زبانوں میں منتقل ہو کر عام استفادہ کا باعث بن سکے۔

تجویز نمبر ۵۔ یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ کانفرنس کو ایسی کتابیں تصنیف و تالیف کرا کے کورس میں داخل کرانے کی کوشش کرنی چاہئے جن میں ہر مذہب و ملت کے مشاہیر کا تذکرہ ہو تاکہ نوجوانوں میں رواداری پیدا ہو اور قومی یکجہتی کے مقاصد کو فروغ حاصل ہو۔

تجویز نمبر ۶۔ ہندوستان میں اُردو زبان کی عام حالت کا جائزہ لیتے ہوئے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ملک میں اس بڑھتے ہوئے احساس کا خیر مقدم کرتی ہے کہ اُردو ایک ایسا ورثہ ہے جس سے قوم کی تعمیر ہوتی ہے اور اس کے خزانے میں اضافہ ہوتا ہے۔ کانفرنس اس بات پر طمانیت کا اظہار کرتی ہے کہ اُردو نے قریبی زمانے میں ہندوستانی فلموں، اخباروں اور مشاعروں کے ذریعہ سے سارے ملک میں تیزی سے ترقی کی ہے۔ باوجود اس کے کہ کچھ سرکاری حلقوں نے اس کے بارے میں کوتاہ بینی اور تعصب کی پالیسی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ کانفرنس اس میلان کو ترقی دینے کے لئے ہر ممکن ذریعہ کے استعمال کی ہمت افزائی کرنا چاہتی ہے اور یہ بھی چاہتی ہے کہ اُردو کی کتابیں اور رسالے دیوناگری اور رومن رسم خط میں چھپیں۔ اس سلسلے میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں رومن رسم خط استعمال کرنے کا جو اختیار دیا گیا ہے اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک اس ذریعے سے اُردو کی تعلیم کو غیر اُردو اور غیر ہندی علاقوں سے آنے والے طلبہ میں پھیلانا خاص طور پر آسان ہوگا۔ کانفرنس یہ بھی امید رکھتی ہے کہ رومن رسم خط میں اُردو کی کتابیں، رسالوں اور اخباروں کی اشاعت ان ہندوستانیوں کو جو دوسرے ملکوں میں آباد ہو گئے ہیں اور ایسے علاقوں میں

رہتے ہیں جہاں انگریزی یا فرانسیسی سرکاری زبان کے طور پر رائج ہے، اپنے بچوں کو زیادہ سہولت کے ساتھ اُردو سکھانے کے قابل بنا دے گی۔

وزرائے تعلیم کے فیصلے

۲۳ر نومبر کو وزرائے تعلیم کے اجلاس میں مندرجہ ذیل امور پر اتفاق رائے سے فیصلہ ہو گیا۔

(الف) قرار پایا کہ سکنڈری ایجوکیشن کے لئے بارہ سالہ نصاب تعلیم پورے ملک کا مطمح نظر ہونا چاہئے خواہ مالی حالت اور اسٹاف کی کمی کی وجہ سے مستقبل قریب میں اس اسکیم پر عمل درآمد ناممکن ہی کیوں نہ ہو۔

(ب) ثانوی تعلیم کے معیار کو سابقہ انٹرمیڈیٹ کے معیار تک بلند کیا جائے۔

(ج) ہیومینٹیز اور سائنس کے تعلیمی نصاب کے سوا اور دوسرے تمام نصاب پیشہ ورانہ ہونا چاہئیں تاکہ ثانوی تعلیم کے فارغ التحصیل طلبہ زراعت، صنعت، تجارت اور دوسرے پیشوں کی ملازمت کے لئے موزوں ثابت ہو سکیں اور اگر وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہیں تو اُن کے لئے ایسے مواقع بھی فراہم کئے جائیں۔

(د) یونیورسٹی یا اس کے متوازی اداروں میں داخلے کے لئے ۱۷ سال یا اس سے زیادہ عمر کی قید ہو اور ۱۶ سے تو کسی حالت میں کم نہ ہو۔

(س) جو ریاستیں ثانوی تعلیم کی میعاد میں ایک سال کا اضافہ کریں اُن کو مرکز سے ایک خاص امداد ملنی چاہئے۔ یہ امداد ایسی ہو جو مدرسین، نصابی کتابوں اور سائنسی تجربہ گاہوں کے مصارف پر حاوی ہو۔ اگر وہ درجہ پری یونیورسٹی درجے کی حیثیت سے کسی کالج سے تعلق رکھتا ہو تو یو۔ جی۔ سی کے ذریعہ مساوی بنیاد پر وہ امداد دی جائے۔ لیکن اگر وہ درجہ کسی اسکول سے متعلق ہو تو مرکزی حکومت براہ راست وہ امداد فراہم کرے۔ لیکن دونوں جگہ نصاب تعلیم اور معیار تعلیم مساوی ہونا چاہئے۔

(ص) آرٹ اور سائنس کے پہلے ڈگری کورس کی میعاد پورے ملک کے لئے تین سال رکھی جائے اور جہاں کہیں اس میں ایک سال اور زائد ہو تو مرکز سے خصوصی امداد دی جائے۔

(ض) کری کولم پر نظرثانی کرنے اور بہتر کتابوں کی تیاری اور فراہمی کے لئے ماہرین کی خدمات حاصل کر کے مرکزی حکومت کو قومی بنیاد پر انتظامات کرنا چاہئیں۔

(ط) ثانوی تعلیم کے لئے قرض کی ایک ایسی ہی اسکیم بنائی جائے اور اس پر عمل درآمد کرایا جائے جیسی کہ ابتدائی تعلیم کے لئے ہے۔ یہ اسکیم عمارات کی تعمیر، مدرسین کی رہائش گاہوں اور ٹریننگ کالجوں کی تعمیر و مصارف پر حاوی ہو۔ کانفرنس نے اس بات پر بھی زور دیا کہ ان سفارشات کی روشنی میں ریاستیں اپنا پانچ سالہ منصوبہ بنائیں اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے مرکز سے ضروری امداد حاصل کریں۔

چوتھے پانچ سالہ منصوبے میں تعلیم کے بجٹ میں معقول طور پر اضافہ کر دیا جائے تاکہ ان سفارشات پر عمل درآمد کرنے کے لئے کافی ذرائع مہیا ہو سکیں۔

محبوب نگر میں اُردو کارکنوں کا اجتماع

۲۴ر نومبر کو کانفرنس ہال محبوب نگر (آندھرا) میں ضلع کے اُردو کارکنوں کا ایک بڑا اچھا نمایندہ اجتماع ہوا۔ صدر انجمن شاخ محبوب نگر مسٹر سری لنگپا کی تحریک پر ڈاکٹر نواب حبیب الرحمٰن صاحب جنرل سکریٹری ریاستی شاخ انجمن ترقی اُردو ہند نے صدارت فرمائی۔ مسٹر نصرت خاورجی نے انجمن کی سالانہ رپورٹ پیش کی۔ صاحب صدر نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ محبوب نگر کے بیشتر مدارس میں اُردو اسٹاف کے تقرر کی ضرورت ہے۔ اگر فوری طور پر اُردو داں مدرسوں کا تقرر نہیں کیا گیا تو سال رواں کی تعلیم یقیناً متاثر ہو گی اور اردو کلاسوں کے قیام کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ صاحب صدر نے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اُردو تعلیم کی ترقی کے لئے ہمیں صرف حکومت پر تکیہ نہ کرنا چاہیئے بلکہ مسلسل جد و جہد جاری رکھنا چاہیئے۔

عالم پور، اوٹکور، نارائن پیٹ، ناگر کرنول، دیدہ اور قسبہ محبوب نگر میں اُردو کی ترویج و ترقی سے متعلق مسائل سے صدر محترم کو واقف کرایا گیا۔

تعلقہ جات اور دیہاتوں کے اُردو کارکنوں نے مباحث میں حصہ لیا۔ ان میں مسٹر محمد یعقوب (ناگر کرنول)، شیخ حسین (گدوال)، سلطان شاہد (ہمکنڈہ)، محمد عثمان (کنعل)، اکبر شریف بابر (جڈچرلہ)، عبدالشکور (وناپرتی)، محمد القیوم ایڈوکیٹ (محبوب نگر) اور ڈاکٹر محمد علی (دیورکنڈہ) بھی شامل ہیں۔ ان اُردو کارکنوں نے اپنی تقریروں میں اپنے اپنے مدارس میں اُردو کلاسوں کے قیام اور اُردو اسٹاف کے تقرر سے متعلق مشکلات کی وضاحت کی اور اُردو مدرسین کی کمی پر تشویش کا اظہار کیا۔ ان تمام نمایندوں کی شکایات اور مطالبات کا ایک جامع قرارداد پیش کی گئی جس کی جلسے نے اتفاق رائے

سے منظوری دی۔

اس قرارداد میں حکومت آندھرا پردیش کی توجہ اس یقین دہانی کی طرف مبذول کرائی گئی ہے جس میں اُردو کو علاقائی زبان کا درجہ دینے کے ساتھ ساتھ اس کی ترقی کے مواقع مہیا کرنے کا یقین دلایا گیا ہے۔ قرارداد میں کہا گیا ہے کہ حکومت آندھرا پردیش نے سنہ ۱۹۶۱ء میں حیدرآباد میں منعقدہ آندھرا پردیش اُردو کانفرنس کی منظور کردہ قراردادوں کو انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش کی جدوجہد کے بعد تسلیم تو کر لیا لیکن قرارداد میں درج بنیادی باتوں پر عمل درآمد کے سلسلے میں خاص طور پر ضلع کی سطح پر نظم و نسق میں اُردو زبان کے استعمال، اُردو کلاسوں کے قیام سے متعلق مشکلات کو دور کرنے اور اسٹاف کی کمی کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے حکومت کے اقدامات اطمینان بخش ثابت نہیں ہو رہے ہیں۔

قرارداد میں جو آٹھ نکات پر مشتمل ہے اُردو جماعتوں کے قیام، اُردو مدرسین اور معلمات کی تعداد میں اضافہ اور اُن کی ٹریننگ کے مناسب انتظام، تحتانوی نصاب کی کتابیں اُردو میں فراہم کرنے، تنقیح کے لئے اُردو داں انسپکٹروں کے انتظام، سرکاری کتب خانوں میں اُردو کتابوں، اخبارات اور رسائل کی خریداری کی گنجائش رکھنے، ضلع پریشد اور سمیتیز کی کارروائی اُردو میں لکھنے، آندھرا گزٹ اور ڈسٹرکٹ گزٹ اور ووٹرس لسٹ کی اُردو میں اشاعت، سائن بورڈس میں اُردو کے استعمال کے مطالبات پیش کئے گئے ہیں۔

یہ کامیاب اجتماع شاخ انجمن ترقی اُردو محبوب نگر کے زیر اہتمام ہوا۔

معتمد انجمن مسٹر نصرت فاروقی کے شکریہ پر اجتماع برخاست ہوا۔

قومی یک جہتی کے سمینار نے

لسانی ریاستوں کی حمایت کا اعلان کر دیا

قومی یک جہتی کے سمینار منعقدہ گاندھی گرام نے دو دن کے بحث و مباحثہ کے بعد زبان کی بنیاد پر ریاستوں کی تشکیل کی حمایت میں ایک بیان مرتب کیا ہے۔ بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ علاقائی زبان ہر ریاست کی سرکاری زبان ہو۔ کیونکہ مادری زبان ہی اصلی خیالات کی نشو و نما اور تہذیب تربیت کا کام صحیح طور پر انجام دے سکتی ہے۔ البتہ ہندی کو برابر ایسی زبان بنانے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے جو ایک ایک دن باہمی میل و ملاپ کا ذریعہ ثابت ہو سکے۔

انگریزی تعلیم نہ تو ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے اور نہ اظہار خیال کی قابلیت بہم پہنچانے کے لئے بلکہ زبان کی حد تک جاننے کے لئے ضروری ہو۔

سمینار کے خیال میں سہ لسانی فارمولے کی بڑی اہمیت ہے۔ ہر ریاست میں اس پر عمل درآمد ہونا ضروری ہے۔

غیر ہندی ریاستوں میں ہندی کو مقبول بنانے کے پروگرام کو بروئے کار لانے کے لئے اپنی ریاستوں کے اہل علم حضرات کی جد و جہد کو ضروری سمجھا ہے۔ مرکزی حکومت کے ماتحت ہونے والے مقابلے کے امتحانوں میں طلبہ کو اپنی پسند کی زبان میں جوابات لکھنے کا اختیار دینے کی سفارش کی گئی ہے۔ ریاستوں میں ہونے والے امتحانات میں امیدوار کو علاقائی زبان میں بھی جوابات لکھنے کی ہدایت کا مشورہ دیا گیا ہے۔

تعلیم کے موضوع پر بنیادی تعلیم کی افادیت اور ضرورت پر غور و فکر کی دعوت دی ہے اور اس کو تیزی کے ساتھ پورے ملک میں پھیلانے پر زور دیا گیا ہے۔

مذہب اور قومی یک جہتی کے موضوع پر مذہب کی بنیادی قدروں کو بڑی بڑی سوسائٹیوں کے قیام کا باعث مانا ہے۔ اور باہمی اتحاد اور بھائی چارہ پیدا کرنے کے لئے اسکو ایک زبردست طاقت تسلیم کیا ہے۔

ضروری اعلان

براہ مہربانی خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ منیجر

مالک انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ، پبلشر نذیر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اُردو علیگڑھ سے شائع کیا